

لازوال آوازیں!

ستر کی دہائی میں نیپال کے شاہی خاندان میں شادی تھی۔ بادشاہ کے محل میں تقاریب حد درجہ مہنگی اور رنگیں تھیں۔ دنیا سے بادشاہ، شہزادے، شہزادیاں، وزراء اعظم اور صدور مدعویے کے لئے تھے۔ پر تکف ضیافت کا اہتمام تھا۔ حکومت پاکستان کے نمائندے نے بھی اس میں شرکت کرنی تھی۔ کسی دانا انسان نے حکومت کو مشورہ دیا کہ قوالی کی صنف میں غلام فرید صابری اور مقبول صابری کے پایہ کے قول موجود نہیں ہیں۔ بہتر ہو گا کہ شاہی شادی میں موسیقی کے ان اساتذہ کی شمولیت کروائی جائے۔ سرکاری سطح پر نیپال کے شاہی خاندان سے بات ہوئی۔ اور اس طرح صابری قول نیپال پہنچ گئے۔ پوری دنیا سے گائیک اور موسیقار بھی آئے ہوئے تھے۔ ہندوستان سے بھی ثقافتی طائفہ پہنچ چکا تھا۔ روزانہ تقریبات ہوتی تھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک گائیک اور گائیک اپنے فن کا مظاہرہ کرتا تھا۔ دادبھی کھل کر ملتی تھی۔ اور پیسوں کی صورت میں انعام بھی بارش کی طرح برستا تھا۔ شادی کی تقریب سے چند دن پہلے صابری صاحبان کو قوالی پیش کرنے کا کہا گیا۔ صابری قول، اردو، فارسی اور صوفیاء کا کلام کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ اپنی قولی میں قرآن کی آیتوں کو بھی کمال خوبصورتی سے استعمال کرتے تھے۔ بہر حال جب اپنی باری پر غلام فرید مقبول صابری نے قولی شروع کی تو سماں بندھ گیا اور سما معین اور پر وجود طاری ہو گیا۔ سما معین نے صابری قول کے بعد کسی کو بھی سننے سے انکار کر دیا۔ صابری برادران دل کھول کر گایا اور کمال کر دیا۔ شاہی خاندان کو مسحور کر کے رکھ دیا۔ ان کی روانگی کو موخر کر دیا گیا۔ اب وہ تقریباً روزانہ اپنی قولی سے بادشاہ اور ان کے خاندان کو محظوظ کرتے تھے۔ نیپال کے اخبارات میں ہر مقام پر ان کی تصاویر پھیتی تھیں۔ ہر جگہ قولی کی دھوم مجھی تھی۔ خیز ایک ڈیڑھ ہفتہ کے قیام کے بعد جب یہ قول والیں آئے۔ تو انہیں ”سفیر ان پاکستان“ کا خطاب دیا گیا۔

اس سے پہلے کہ ذکر کروں کہ صابری برادران کون تھے۔ کہاں سے آئے۔ کن کن صعوبتوں اور قیامتوں سے گزرے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتنا عروج دیکھا۔ ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ اس نکتہ کی بنیاد صرف یہ ہے کہ علم موسیقی سے تھوڑی سی شد بدرکھتا ہوں۔ اچھے گیت، نغمہ یا قولی کو سمجھتا ہو۔ مگر یہ بھی درست ہے کہ بے سرے گانے، کلام، گانوں اور صوفی قولیوں کو بھی پہچانتا ہوں اور ان سے دور بھاگتا ہوں۔ آج کل کیونکہ سو شل میڈیا کا بول بالا ہے۔ مقبولیت کی سند صرف یہ ہے کہ کتنے انسانوں نے یوٹیوب پر کسی گیت یا قولی کو لکھا پسند کیا ہے۔ مگر یہ سند حد درجہ سطحی نوعیت کی ہے۔ اب تو پاپ سنگر ز نے مشہور قولیوں کو بھی گانا شروع کر دیا ہے۔ چند دن پہلے، ایک پاکستانی پاپ سنگر کی قولی سننے کا اتفاق ہوا۔ یہ لازوال موسیقی ”تاجدار حرم“ کی کوئی حد درجہ ادنی سا چڑھتی تھی۔ اس قولی کو صابری برادران پچاس برس پہلے گاچکے ہیں۔ صابری برادرز کی گائی ہوئی قولی اور آج گائی جانے والی قولی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ قطعاً یہ عرض نہیں کر رہا کہ ہمارا گائیک کسی طور پر بھی کمتر ہے۔ مگر قولی اتنی مشکل اور پیچیدہ صنف موسیقی ہے کہ اس پر صرف اساتذہ ہی حاوی ہو سکتے ہیں۔ تاجدار حرم پر جو جد صابری قول طاری کر سکتے ہیں، ان کے بعد یہ کسی بھی گائیک کے لئے تقریباً ممکن ہے۔ اس قولی میں قرآنی آیات، فارسی تراکیب اور رسول کریم ﷺ کے اسماء مبارک کا اس مہارت سے استعمال کیا گیا ہے کہ سننے والے کے پاس داد کے لئے الفاظ کم پڑ جاتے ہیں۔ اپنے ملک کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جائیں۔ نیو یارک کے hall اور لندن کے Royal Albert hall میں جب موسیقی کے ان جادوگروں نے قولی گائی، تو سینکڑوں نہیں، ہزاروں گورے اور گوریاں خواتین، وجود میں رقص کرنے لگ گئے۔ یاد رہے کہ جہاں وہ گارہے تھے وہاں ان کی قولی کی زبان کو سمجھنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ ان کی مقامی زبان تو انگریزی تھی۔ مگر صابری صاحبان نے سر لے اور تال سے وہ سماں باندھا کہ لوگ بے خود ہو گئے۔ اب اس درجہ کی ریاضت اور مہارت حاصل کیے بغیر قولی گانا زیادتی کی بات ہے۔ بھئی، آپ نے گانا ہی ہے تو آج کل کی طرز پر کچھ بھی گاڑا لو۔ دادل جائے گی۔ پسی بھی آجائیں گے۔ مگر اساتذہ کی لافانی قولی اور نغموں کو گانا، نامناسب ہے۔ خدار، موسیقی میں اساتذہ کے گائے ہوئے کلام کو بخش دیجئے۔ اپنی مرثی سے موجودہ ماحول سے کوئی بھی چیز گا لیجئے۔ اور اگر بہت شوق ہے تو اپنی گائیکی کی ویدیو بھی بنوالیں۔ مگر انتہا ہے کہ جن اساتذہ اور فنکاروں نے پوری عمر، موسیقی کے فن کو دان کر ڈالی، جنہوں نے مصائب، غربت اور مشکلات میں اس علم کو سینے سے لگا کر رکھا۔ جو گھٹوں نہیں، پھر وہ ریاض کرتے رہے، پھر جا کر اپنے فن میں پختہ ہوئے۔ ان کے گائے ہوئے کلام پر ہاتھ نہ ڈالیے۔ یہ ان گائیکوں کی توہین بھی ہے۔ مگر یہاں تو خود ساختہ فنکار، سو شل میڈیا پر لائکس گننے میں مصروف ہوتے ہیں۔ موسیقی کے علم پر ان کی کتنی دسترس ہے یہ قواب سنجیدہ نکتہ رہا ہی نہیں۔ ویسے پاکستانی گائیکوں کو چھوڑ یئے، ہندوستان کے سینیٹر گائیک، عدنان سمیع نے بھی غلام فرید صابری قول کی گائی ہوئی بہترین قولی کو اپنے رنگ میں گانے کی کوشش کی ہے۔ مگر حق بات تو یہ ہے کہ وہ بھی مکمل طور پر ناکام رہا۔ جس بلند سطح پر صابری قول، گاچکے ہیں۔ اس سطح کے قریب قریب بھی عدنان سمیع نہیں پہنچ پایا۔

گزارش کرنے کا مرکزی نکتہ صرف ایک ہے۔ بر صغیر میں اساتذہ جو کچھ گاچکے ہیں۔ ان کو دوبارہ اس اوج شریا پر گانا ممکن نہیں رہا۔ بیگم اختر فیض آبادی، کے ایل سہگل، بڑے غلام علی خان، رفیع، امانت علی خان، نصرت فتح علی خان، مہدی حسن، روشن آراء بیگم، غلام علی، جس سنجیدہ طرز پر غزلیں، ٹھمریاں، قولیاں وغیرہ گاچکے ہیں۔ اب اس طرز پر ان کو موجودہ دور میں، اسی سطح پر گانا ممکن نہیں رہا۔ یہ عرض نہیں کر رہا کہ موجودہ دور میں اچھا گانے والے موجود نہیں ہیں۔ بالکل ہیں۔ اور ہر آنے والے دور میں رہیں گے۔ مگر دوبارہ غرض کروں گا کہ جن انسانوں کو خدا نے سریلی آواز بخشی ہے ان اساتذہ کی نقل کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ بیگم اختر، غزلیں گایا کرتی تھیں۔ اس کی ایک غزل ”اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا“، اسی گھرے انداز سے دوبارہ کوئی نہیں گا سکتا۔ بالکل اس طرح، حکیم مومن خان مومن کی کمال غزل ”وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا“، جس مہارت سے بیگم اختر فیض آبادی نے گائی ہے۔ آج بھی سینیٹر ٹو انسان وقتی طور پر کسی اور جہاں میں چلا جاتا ہے۔ کے ایل سہگل، بر صغیر کے موسیقی کا ایک مضبوط ستون تھا اور ہے۔ اس کا گایا ہو انغمہ ”جب دل ہی ٹوٹ گیا، اب جی کے کیا کریں گے“، ہر دور میں امر ہے۔ اب اگر کوئی نیافزار کے ایل سہگل کے ان نغموں کو دوبارہ گانا شروع کر دے۔ تو صرف افسوس کیا جا سکتا ہے۔ ناشناس جو کہ افغانستان کا ایک معروف گویا تھا۔ اس نے کمال محنت کے بعد کے ایل سہگل کے گانوں کو دوبارہ گایا ہے۔ حد درجہ خوبصورت آواز کے مالک ہونے کے باوجود ناشناس کے ایل سہگل کی سطح پر نہیں پہنچ پایا۔ ہمارے دور میں نصرت فتح علی خان کی آواز نے چند قولیوں اور نغموں کو امر کر ڈالا ہے۔ اس کی قولی ”تو ایک گور کھدھنده ہے“، اس زبردست طور پر گائی گئی ہے کہ کسی بھی گائیک کی ہمت تک نہیں ہوئی کہ اس کو دوبارہ گانے کی کوشش بھی کر سکے۔ ناز خیالوی کے کلام کو جس طرح نصرت فتح علی نے گایا ہے۔ اس سے شاعر کا کلام بھی آفاقی ہو چکا ہے۔ جس بلند ترین آواز کی لے پر نصرت گا سکتا ہے۔ کم از کم بر صغیر میں تو اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ کیا امانت علی خان کی دھمی اور مدھر آواز میں کوئی بندہ، اس کی گائی ہوئی غزلوں اور نغموں کو دوبارہ گا سکتا ہے۔ ممکن نہیں ہے۔ صاحب۔ بالکل ممکن نہیں۔ بڑے غلام علی خان کی گائی ہوئی حد درجہ مشہور ٹھمری ”باغوں میں پڑے جھوٹے“، کیا اب دوبارہ اسی کرب سے گائی جا سکتی ہے۔ قطعاً یہ عرض نہیں کر رہا کہ نئے دور میں اچھے گائیک نہیں ہیں۔ بالکل ہیں۔ ہر دور کے اپنے بلند پایا یہ فنکار ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اساتذہ کے گائے ہوئے نغمے اور غزلوں پر ہاتھ صاف کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہاں۔ اگر سخت محنت سے کوئی فنکار ان کلاسیک گائیکوں تک پہنچ جائے۔ تو شاید ایسا ممکن نہیں۔ چند آوازیں لازوال ہوتی ہیں۔ اور ہر دور میں کامیاب رہتی ہیں۔ نئے گلوکاروں کو ان پر آنے گو یوں کو بخشن دینا چاہیے۔ کیونکہ ان کی آوازیں صرف اور صرف لازوال تھیں!